

ہم اس ملک میں کیا تغیرات چاہتے ہیں

مولانا امین احسن اصلاحی

[یہ وہ تقریر ہے جو مولانا نے ۱۱ نومبر ۱۹۷۷ء کو جماعت اسلامی کے اجتماع عام منعقدہ

کراچی میں ارشاد فرمائی]:

خطبہ مسنونہ کے بعد —————

محضرین اور خواتین۔ شائع شدہ پروگرام سے آپ کو اس بات کا علم ہو چکا ہو گا کہ مجھے اسی وقت آپ کو یہ بتانا ہے کہ ہم اس ملک میں کیا تغیرات چاہتے ہیں۔

اگر آپ اس سوال کا جواب مجھ سے دو لفظوں میں چاہیں تو میں اس کا یہ جواب دے سکتا ہوں کہ ہم اس ملک کی زندگی کے ہر شعبہ میں پورے اسلام کو لانا چاہتے ہیں۔ یہ چیز جیسا کہ آپ حضرات کو اچھی طرح علم ہو گا، صرف ہمارے ہی پیش نظر نہیں ہے بلکہ جہاں تک اقوام و اظہار اور اعداء و اعلان کا تعلق ہے پاکستان کے تخیل کی ابتدا سے لے کر آج تک شاید ہی کوئی ایسی جماعت اٹھی ہو جس نے اپنا مقصد اس مقصد کو نہ بتایا ہو۔ اس مملکت کے تخیل کو ایک مقدس تخیل جس چیز نے بنایا وہ ہمارے لیڈر ہیں۔ یہ بار بار کہنا ہی تھا کہ ہمیں ایک آزاد خطہ زمین کی ضرورت ہے جہاں ہم اپنی قوم کو اسلام کے مولانا اسلام کے عقائد اور اسلام کے سکھانے اور تبلیغ کرنے والے اخلاق و اعمال کے مطابق آزادانہ تربیت دے سکیں۔ پھر جب اس مملکت کو تائید ایزدی نے قائم کر دیا تو اس کے بعد بھی ہمارے لیڈر حضرات عموماً یہی بات دہراتے رہے ہیں۔ اس ملک کے عوام کی زبانوں پر بھی یہی چیز رہی ہے اور اس ملک کے خواص بھی اس بات کو کہتے رہے ہیں۔ ہمارے نئے تعلیم یافتہ لوگ بھی یہی نعرہ لگاتے رہے ہیں اور ہمارے علماء بھی اسی بات کا وعظ کرتے رہے ہیں۔ ادھر پچھلے چند سالوں کے اندر ہماری قوم کے مختلف طبقات

کی طرف سے جو بات سب سے زیادہ دہرائی گئی ہے اور مختلف اسلوبوں اور طریقوں سے دہرائی گئی ہے وہ یہی ہے کہ ہم اس ملک میں اسلامی نظام حیات لانا چاہتے ہیں۔ اور اس کی زندگی کے ہر گوشے میں یہی اصول و نظریات کا فرما دیکھنا چاہتے ہیں جن کی تعلیم اسلام نے ہم کو دی ہے۔

ایک ایسی عام حکایت اور ایسی مشہور داستان، جو اس طرح افسانہ بزم و انجمن ہو، جس کو ہر شخص نے سنا ہو اور جس کو سب دھرا بھی رہے ہوں، آپ حیران ہونگے کہ اسی کو اس موقع پر پھر دہرانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہی بات سب کہہ رہے ہیں اور اس ملک کے ارباب کار کو اور اس ملک کی نمایاں پارٹیوں کو اس سے پورا پورا اتفاق ہے تو پھر یہ بات بار بار کیوں کہی جائے؟ کیوں نہ صبر کے ساتھ عقائد کا انتظار کیا جائے اور کام کرنے والوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے؟ یہ سوال آپ کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہو گا۔ اس لیے میں سب سے پہلے اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔

اس مسئلہ پر بار بار بحث کرنے کی ضرورت ہمیں جن اسباب سے پیش آتی ہے وہ تین ہیں:-

اس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا سبب تو ہماری قوم کی جہالت ہے۔ ہماری قوم اسلام سے

محبت تو رکھتی ہے اور فی الواقع اس کی خواہش اور تمنا بھی یہی ہے کہ اس ملک میں اسلامی نظام حیات

آئے۔ لیکن وہ جانتی نہیں کہ اسلام ہے کیا چیز؟ اس وجہ سے جو چیز بھی اسلام کے نام سے پیش کر دی

جاتی ہے وہ بڑی آسانی سے اسی کو اسلام سمجھ بیٹھتی ہے۔ ہماری قوم کی اس کمزوری سے اس ملک

کے لیڈروں نے بڑا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں انہیں بہت بڑی مدد تک

کا میابی بھی ہوئی ہے۔ انہوں نے جس چیز کو بھی قوم میں مقبول بنانا چاہا ہے، خواہ اسے اسلام سے دور کا

بھی کونٹی واسطہ نہ ہو، اس پر اسلام کا بیبل لگا کر اس کو قوم کے سامنے رکھ دیا ہے اور تھوڑے دنوں

کے پروپیگنڈے کے بعد وہ خالص جاہلی چیز اسلامی بن گئی ہے۔ قوم کی اس بے خبری کی وجہ سے اس بات

کی بڑی شدید ضرورت ہے کہ ہم اس کو یہ بتاتے ہیں کہ جس اسلام کو وہ چاہتی ہے وہ فی الحقیقت یہ

کیا؟ اور جس اسلامی نظام حیات کی وہ تمنا رکھتی ہے جب وہ کسی سر زمین پر قائم ہو گا تو اس کے نمایاں

خط و خال کیا ہونگے اور کن کن پہلوؤں سے وہ دنیا کے سارے نظاموں سے ایک بالکل نمایاں اور

ممتاز چیز ہوگا۔ اور اس سرزمین کے باشندوں کے لیے اپنے ساتھ کیا کیا آسانی برکتیں لایا گیا ہے؛ اگر ہماری یہ کوشش برابر جاری نہ رہی تو ہمیں جس قسم کے بے خبروں اور جس ٹائپ کے ہوشیاروں سے سابقہ ہے اس کی بنا پر ہمیں اندیشہ ہے کہ قوم کے سامنے سونے کے نام سے پتیل رکھ دیا جائے گا اور وہ اسی کو سونا سمجھ لے گی۔

دوسری چیز جس کے سبب سے اس کی بار بار وضاحت کرنی پڑتی ہے وہ ہماری قوم کے لیڈروں کی نہایت کھلی ہوئی منافقت ہے۔ اب یہ حقیقت محتاج ثبوت نہیں رہی ہے کہ جہدِ گہری ہماری قوم کی قیادت فرما رہے ہیں وہ منافقت کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ وہ جن چیزوں کا قوم سے بار بار اس شد و مد کے ساتھ وعدہ کر رہے ہیں تمام قرائن و شواہد اس بات کا ثبوت ہم پہنچا رہے ہیں کہ وہ ان چیزوں میں سے ایک چیز کو بھی بروئے کار لانا نہیں چاہتے۔ وہ بار بار جمہوریت کا نام بیٹھتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں جمہوریت کی آبرو و ثناء کے رکھ دی ہے۔ وہ بار بار اسلام کا نام بیٹھتے ہیں۔ لیکن ان کا ہر قدم جو اٹھتا ہے وہ کھلم کھلا اسلام کے خلاف اٹھتا ہے۔ وہ اپنی تقریروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی دہراتے ہوئے نہیں نکلتے۔ لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ثبوت میں عملاً اور قولاً جو جرات دکھائی ہے اس کی مثال مشکل ہی سے کہیں اور مل سکے گی۔ وہ قرآن کا نام بار بار بیٹھتے ہیں۔ لیکن نہ وہ قرآن کی کسی بات سے واقف ہیں اور نہ اس کی کسی بات سے واقف ہوئے یا اس پر عمل کرنے کے خواہشمند ہیں۔ نہ وہ اپنی انفرادی زندگیوں میں اس اسلام کا کوئی ثبوت دیتے ہیں جس اسلام کے ذکر سے اُن کی تقریریں معمور ہوتی ہیں اور نہ اپنی سیاسی و اجتماعی زندگی میں اب تک انہوں نے کوئی ایسا قدم اٹھایا ہے جس کو اسلامی قدم سے تعبیر کیا جاسکے۔

میں اُن کی انفرادی زندگیوں سے غصّ بصر کیے لیتا ہوں۔ میں نے "غصّ بصر" کا لفظ بالقصہ استعمال کیا ہے اس لیے کہ ان کی انفرادی زندگیاں اپنے اندر اتنی مکروہات رکھتی ہیں کہ ایک شریف اور معقول آدمی کو ان سے غصّ بصر ہی کرنا پڑتا ہے۔ البتہ مجھے اُن کی اجتماعی زندگی سے محبت

کرنے کا پورا پورا حق ہے اور مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج تک انہوں نے اپنی اجتماعی و سیاسی زندگی کے میدان میں جتنے کارنامے بھی انجام دیے ہیں ان میں قرار داد مقاصد کے سوا ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کے اندر اسلام کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ انہوں نے جو چیز بھی پیش کی ہے وہ خالص جاہلی پیش کی ہے۔ انہوں نے جتنے قدم بھی اٹھائے ہیں سب غیر اسلام کی راہ میں اٹھائے ہیں۔ اور جتنے کام بھی کیے ہیں وہ سب ایسے ہیں جو اسلام میں مطلوب نہیں بلکہ نامطلوب تھے۔ اسلام کے دعوے کے ساتھ ساتھ اسلام کی ایسی کھلی خلاف ورزیاں دیکھ کر ہم مجبور ہوتے ہیں کہ قوم کو بار بار یہ سمجھانے رہیں کہ جس اسلام کو وہ چاہتی ہے وہ اسلام ان لیڈروں کے اسلام سے بالکل مختلف چیز ہے اور اس کو عملاً اس ملک میں لانے کے لیے ان لیڈروں پر اعتماد کر لینا انتہائی نادانی ہوگی۔ اگر اس کو فی الواقع لانا ہے تو اس کے لیے پورے شعور کے ساتھ جدوجہد کرنی پڑے گی بلکہ عجب نہیں کہ اس راہ میں قربانیاں بھی دینی پڑیں۔ یہ کام بظاہر اس آسانی کے ساتھ ہوتا نظر نہیں آتا جس آسانی کے ساتھ اس کے ہونے کی بہت سے لوگ توقع کیے بیٹھے ہیں۔

ایک تیسرا سبب جو اس حقیقت کو بار بار دہرانے اور واضح کرنے پر ہمیں مجبور کرتا ہے وہ ہماری قوم کے اندر ایک ایسے طبقہ کا پایا جانا ہے جو بدقسمتی سے جہالت اور منافقت کے ساتھ شہرارت کے روگ میں بھی مبتلا ہے۔ ممکن ہے آپ اس لفظ کے اندر کچھ سختی اور کڑھکی محسوس کرتے ہوں۔ لیکن اسلام کے ساتھ اسلامی تعلیمات و عقائد کے ساتھ اسلامی نظام حیات کے ساتھ اسلامی افکار و نظریات کے ساتھ، قرآنی اصول حیات کے ساتھ، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے ساتھ ان لوگوں کا جو رویہ ہے وہ کھلم کھلا معاندانہ ہے، اس لیے میں مجبور ہوں کہ ان کے اس رویہ کو شہرارت کے لفظ سے تعبیر کروں۔ یہ لوگ اگرچہ مسلمانوں کے اندر شامل سمجھے جاتے ہیں اور ان کی خود بھی خواہش اور کوشش یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے اندر شامل رہیں، لیکن یہ اسلام کی نہایت واضح تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسلامی احکام پھیتیاں کتے اور فحش چست کرتے ہیں۔ اسلامی نظام کے خلاف عوام کو مددگار کر کے یہ طرح طرح کی باتیں کہتے

ہیں کبھی اسلام کو ملازم کے نام سے پکارتے ہیں۔ کبھی اسلام کو دنیاوسیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام کے لانے کے معنی اس ملک میں جاگیردارانہ نظام کے اجیاء کے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اگر اسلامی نظام آیا تو نجاسوں پر اس طرح لوندیاں اور غلام کہیں گے جس طرح کبھی بکتے رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اگر اس ملک میں اسلام کا قانون جاری ہوا تو نہ کسی کا سر سلامت رہے گا نہ کسی کے ہاتھ پہنچے سلامت رہیں گے اور نہ کسی کا تن بدن سلامت رہیگا۔ معمولی باتوں پر لوگوں کے سرفلم کر دیے جائیں گے۔ ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں گے۔ اور سنگ سار کر کے حبسوں کے پینچے اڑا دیئے جائیں گے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید جو چودہ سو سال پہلے کے مسائل کو حل کرنے کے لیے آیا تھا اب وہ چودہ سو سال بعد کے مسائل کے حل کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اب دنیا کہاں سے کہاں نکل جا چکی ہے اور ملا ابھی تک اپنی ہی رٹ دگلے چلا جا رہا ہے۔ وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اسلامی تاریخ سے ایسی چیزیں نکال رہے ہیں جن کی مدد سے اسلامی تاریخ کے اصلی خط و خال کو مٹایا جاسکے۔ ان کے نزدیک ہماری تاریخ کی سب سے زیادہ نمایاں چیزیں وہ چند لغزشیں ہیں جو کسی شخص سے پچھلے زمانہ میں صادر ہو گئی ہوں۔ اگر اس طرح کی کچھ لغزشیں ان کو ہاتھ آ جاتی ہیں تو ان کو وہ خاص اہتمام سے نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام تو یہی کچھ سکھانے کے لیے آیا تھا۔ یہودیوں نے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے متعلق تہمتیں تراشی تھیں، اسی طرح یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق تہمتیں تراشتے ہیں۔ ہماری تاریخ کے پچھلے دور میں اگر اسلامی اصولوں کی کچھ غلط تعبیریں کسی نے کی ہیں تو ان کو نئے آب و رنگ کے ساتھ اس طرح پیش کیا جا رہا ہے گویا اسلام کی حقیقی تعبیریں یہی ہیں۔ بسا اوقات بعض باتیں نہایت غلط طور پر بعض بزرگوں کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں اور پھر ان کی ثقاہت و بزرگی کا حوالہ دیکر ان کو مسلمانوں کے سامنے اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ عوام کے اندر غلط فہمیاں پھیلانی جائیں۔ حالانکہ ان بزرگوں کے ذہنوں میں ان باتوں کا کبھی خطرہ بھی نہیں گذرا ہوگا۔

یہ تین سبب ہیں جن کی وجہ سے ایک ہی داستان میں بار بار مختلف اسلوبوں سے دہرائی

اور ایک ہی کتھا بار بار سنانی پڑتی ہے۔ اس کے لیے ہمیں وسیع لٹریچر شائع کرنا پڑا ہے اور انہی خطرات سے اپنی قوم کو بچانے کے لیے ہمیں ان مسائل کو بھی دلائل و براہین سے ثابت کرنا پڑا ہے جو مسائل ہماری دین میں دو دو چار کی طرح بالکل واضح اور قطعی ہیں۔ اگر ہمیں اس جہالت، اس منافقت، اور اس شرارت سے سابقہ نہ ہوتا تو ہمارا کام نہایت آسان تھا۔ ہماری قوم کو اسلام زیادہ کوئی چیز بھی محبوب نہیں ہے اور وہ اس کو اختیار کرنے کے لیے ہرگز کسی دلیل و محبت کی منتظر نہیں ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اسلام سے اچھی طرح آشنا نہیں ہے اس لیے اگر کچھ لوگ اس کو دھوکا دینا چاہیں تو بڑی آسانی سے دے سکتے ہیں۔

یہ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے یہ میری تقریر کی تمہید تھی۔ چونکہ اکثر لوگ جو صحیح صورت حال سے ناواقف ہیں یا سادہ لوح واقع ہوئے ہیں، اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ جب اس ملک کے لیڈر بار بار وعدہ کر رہے ہیں کہ ہم اس ملک میں اسلامی نظام ہی قائم کریں گے تو آخر جماعت اسلامی اس چیز کے لیے اس قدر کیوں منہگامہ اٹھائے ہوئے ہے؟ اس لیے میں نے اس موقع پر اس کی وضاحت کر دینی ضروری سمجھی کہ ہم کن وجوہ سے اس بار بار کی یاد دہانی کی رحمت برداشت کر رہے ہیں۔

اب میں آپ کو یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ ہم اس ملک میں کس طرح کے تغیرات لانا چاہتے ہیں۔ اس کا اجمالی جواب تو میں آپ کو دے چکا ہوں کہ ہم اس ملک میں اسلام کو لانا چاہتے ہیں۔ خالص اسلام کو، سو فیصدی اسلام کو، زندگی کے ہر گوشہ میں اسلام کو۔ لیکن یہ سوال کا ایک اجمالی جواب ہونا مجھے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ آپ کو بتانا ہے کہ ہم اس ملک میں کس ہمہ گیر انقلاب کے طالب ہیں؟ ہم اس ملک میں نئے نئے دے دستور کے متعلق یہ چاہتے ہیں کہ وہ سو فیصدی اسلام کے اصولوں پر بنے۔ ہم اس ملک میں قائم ہونے والی تہذیب کے متعلق یہ چاہتے ہیں کہ وہ سو فیصدی اسلام کا رنگ ایسے ہوئے ہو۔ ہم اس ملک میں قائم ہونے والے نظام تعلیم کو چاہتے ہیں کہ وہ خالصاً اور کلیئہً کتاب و سنت کی اساس پر ہو۔ ہم اس

ملک کے معاشی نظام کو بھی خالص اسلامی اصولوں پر مبنی دیکھنا چاہتے ہیں۔ الغرض ہماری تمنا اور کوشش یہ ہے کہ اس ملک کی زندگی کے ہر گوشہ پر اللہ کا رنگ پڑھ جائے۔ کوئی کونا اور گوشہ بھی صلیبۃ اللہ کی تنزیہ سے محروم نہ رہے۔ جب تک ایک نقطہ کے برابر بھی کسی گوشہ میں ایسی جگہ باقی رہے گی جس پر اسلام کا چھاپ نہ ہوگا، اس وقت تک ہم سمجھیں گے کہ ابھی ہمارا کام ختم نہیں ہوا اور ہم برابر اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ ہماری زندگی کے ہر گوشہ پر اپنے دین کا قائم فرما دے۔

سب سے پہلے آپ اس ملک کے بننے والے دستور کو دیکھیے اور یہ دیکھیے کہ ہم اس میں کن باتوں کا ہونا ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں۔ یہ میں یہاں واضح کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میرے لیے اس وقت تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ میں صرف اصولی باتوں ہی کی طرف اشارہ کر سکتا ہوں۔

ہم اس ملک کے دستور میں سب سے پہلی بات یہ چاہتے ہیں کہ اس میں خدا کی حاکمیت کا نہایت صاف اور واضح الفاظ میں اقرار کیا جائے۔ اگرچہ قرار داد مقاصد کے بعد خدا کی حاکمیت کے اقرار کا مسئلہ بظاہر ایک متفق علیہ حقیقت معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت صورت معاملہ یہ نہیں ہے۔ ہم مختلف وجوہ کی بنا پر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارے لیڈروں کے ذہن ابھی صاف نہیں ہیں۔ ہمارے لیڈر حضرات اس معاملہ میں قرآن مجید کے بجائے بعض مسلمان ممالک کے دستاویز سے الہام حاصل کر رہے ہیں۔ جس طرح بعض مسلمان ممالک کے دستاویز کا آغاز تو خدا کے نام سے ہوتا ہے لیکن خدا کے نام کے بعد پہلی ہی سطر جو شروع ہوتی ہے وہی خدا کے نام کی نفی کر دیتی ہے۔ اسی طرح شاید ہمارے لیڈر بھی یہ سوچ رہے ہیں کہ پاکستان کے دستور کی بسم اللہ تو خدا کے نام سے ہو لیکن اس کے بعد پورا دستور اپنے من مانے اصولوں پر بنادیا جائے۔ جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ اگر آپ اس دستور کو پڑھیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ آپ نے اس کو شروع تو کیا ہے اللہ کے نام سے لیکن ہے وہ درحقیقت امریکہ یا فرانس یا کسی اور کافر ملک کا

دستور۔ بلکہ اس کے لیے اس سے زیادہ موزوں تشبیہ یہ ہوگی کہ آپ نے آغاز تو کیا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمن الرحیم سے، لیکن اس کے بعد گزرتا صاحبِ یادہ کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اگر فی الواقع ان حضرات کے پیشِ نظر یہ چیز ہے کہ وہ اللہ کے نام سے ایک ایسا دستور بنائیں جس کو اللہ کی توحید سے، اللہ کی تعلیم سے، اللہ کی شریعت سے، اللہ کے احکام سے کوئی تعلق نہ ہو، تو ان کے لیے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ وہ ایسے دستور میں اللہ کا نام نہ استعمال کریں۔ اس طرح وہ اللہ کے نام کا احترام نہیں قائم کریں گے بلکہ اللہ کے نام کی توہین کریں گے۔ اور اپنے جرم پر خدا کو گواہ ٹھہرائیں گے۔

یہ نہ خیال فرمائیے کہ یہ اندیشے میں محض بدگمانی کی بنا پر ظاہر کر رہا ہوں۔ بلکہ یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں نہایت معقول وجوہ کی بنا پر عرض کر رہا ہوں۔ دستوری سفارشات کی کمیٹیوں نے اب تک جو کچھ آپ کے سامنے رکھا ہے اس میں کے فیصدی اسلام آپ نے پایا ہے؟ ابھی پچھلے دنوں ہمارے سامنے ایک مضمون آیا تھا جو مرکزی حکومت کے ایک بڑے ذمہ دار آدمی کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں خدا کی حاکمیت کی جو تشریح کی گئی تھی وہ جمہور کی حاکمیت سے ذرا بھی مختلف نہیں تھی۔ اس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ پاکستان میں حکومت اگرچہ نظری طور پر تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی، لیکن عملاً چونکہ اس حکومت کو انسان ہی چلائیں گے، اس لیے حکومت درحقیقت انسانوں ہی کی ہوگی اور وہ جس طرز پر بھی حکومت کو چلائیں، وہ خدا ہی کی حکومت کہلائے گی۔ ہمارے نزدیک خدائی حکومت کی یہ تشریح نہ صرف غلط ہے، بلکہ یہ نہایت غلط قسم کا شرک ہے۔ ہم اس ملک میں ایسا دستور نہیں چاہتے جو خدا کی حاکمیت کے تصور کو اتنا مبہم چھوڑ دے کہ اس کی ہر قسم کی من مانی تاویلیں کی جاسکیں، اور اہل اغراض اس کو ہر قسم کے معنی پہننا سکیں۔ ہم صرف یہ نہیں چاہتے کہ دستور میں خدا کی تکوینی حاکمیت کا اقرار کیا جائے، بلکہ خدا کی تکوینی حاکمیت کے ساتھ ساتھ اس کی تشریحی حاکمیت کے افراد کو بھی ضروری سمجھتے ہیں ہم صرف یہی نہیں چاہتے کہ لا الہ الا اللہ پڑھ دیا جائے بلکہ اس کے ساتھ محمد رسول اللہ کا پڑھنا بھی ناگزیر ہے۔ اس لیے کہ جب تک لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا اقرار نہ شامل ہو، اس وقت تک لا الہ الا اللہ کہنا بھی بے معنی ہے۔ اللہ کی حاکمیت ہماری عملی زندگی پر اسی وقت موثر ہو سکتی ہے

جب اُس کی تکوینی حاکمیت کے ساتھ اُس کی تشرعی حاکمیت پر بھی ایمان لایا جائے، اور خدا کی تشرعی حاکمیت کے منظرِ چوکنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے ہر شعبے میں واجبِ اطاعت ہادی اور واجبِ اطاعت لیڈر مانا جائے۔ جب تک کہ یہ نہ مانا جائے کہ ہمارے حکمِ ان حقیقی نے اپنے احکام و قوانین سے ہم کو مطلع کرنے کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے اور رسول اللہ کے امر و ارشاد کے مقابلہ میں کسی اور کے امر و حکم کو تسلیم کرنا کفر ہے، اس وقت تک نہ اللہ کی حاکمیت کے اقرار کا حق ادا ہو سکتا ہے نہ رسول کی رسالت کے اقرار کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ اس لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ دستور میں خدا کی حاکمیت کا اقرار کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ دستور میں کتاب اللہ کی اطاعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اور سنت خلفائے راشدین کی پیروی کا اقرار کیا جائے۔ خدا کی حاکمیت کا منشاء صمیم صمیم طور پر اسی وقت بروئے کار آسکتا ہے جب اُس کا اقرار نہ کر رہے ہوں۔ بالاحقیقتوں کے اقرار کے ساتھ کیا جائے۔ اس کے بغیر خدا کی حاکمیت کا اقرار کرنا یا نہ کرنا، دونوں یکساں ہیں۔ ہم اگر اجتماعی طور پر متحدین کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس طرح خدا کی حاکمیت کا اقرار کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر یہ خیال کرنا کہ ہم نے اپنے دستور میں خدا کی حاکمیت کا اقرار کیا ہے ایک بالکل بے معنی سی بات ہے۔ میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ جن مسلمان ممالک میں اس وقت دستور کے نام سے کوئی چیز موجود ہے اُن میں سے کسی دستور میں بھی ان شرائط کے ساتھ خدا کی حاکمیت کا اقرار نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے پاکستان کا دستور بناتے وقت اُن کو رہنمائی کے لیے اپنے سامنے رکھنا، ایک نہایت ہی سخت قسم کی امتحانِ غلطی ہوگی۔

دوسری چیز جو ہمارے دستور کی نمایاں خصوصیت ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ یہ تقسیمِ دین و دنیا کے نظریے کی تمام آلودگیوں اور خرابیوں سے بالکل پاک ہو۔ وہ سو فیصدی اس نظریہ پر بنایا جائے کہ ہمارا دین ہماری دنیا کے برگوشے پر حاوی ہے۔ ہمارا دین عیسائیوں یا ہندوؤں کے دین کی طرح صرف پرچاٹ کی حد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہماری زندگی کے ہر شعبے کے متعلق ہم کو احکام و ہدایات دیتا ہے اور ان تمام احکام و ہدایات کو وہ ہمارے لیے یکساں طور پر واجب اور ضروری قرار دیتا ہے۔ وہ

جس طرح ہمیں یہ بتانا ہے کہ ہم مسجد میں جائیں تو کس طرح نماز پڑھیں، اُسی طرح ہم کو یہ بھی بتانا ہے کہ جب ہم بازار میں جائیں تو کس طرح سے معاملات کریں۔ وہ جس طرح ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہماری انفرادی زندگی کی ترقیوں کے لیے کن اصولوں کی پیروی ضروری ہے اُسی طرح وہ ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی کی صلاح و فلاح کے لیے صحیح رہنما اصول کیا ہیں۔ وہ جس طرح ہم کو نماز کے اصول سکھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ان اصولوں کی ادنیٰ خلاف ورزی سے ہماری نماز فاسد ہو جائے گی اُسی طرح وہ ہمیں سیاست کے آئین سکھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس آئین کی خلاف ورزی سے ہماری حکومت اگرچہ بظاہر اس پر اسلام کا سیل لگا ہوا ہو، فساد فی الارض بن جائے گی۔

اس حقیقت نفس الامری کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ اس ملک کے دستور کے ذریعہ سے ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبے کو خدا کے قانون کے تابع کیا جائے، اور عیسائیوں اور ہندوؤں کے جاہلی تصورات سے اس کو بالکل پاک رکھا جائے۔ اگرچہ ان الفاظ سے میرا مدعا واضح ہے لیکن میں اس کو مزید واضح کرنے کے لیے یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم صرف یہ نہیں چاہتے ہیں کہ اس ملک میں نیخ الاسلامی کا کوئی منصب قائم کر دیا جائے، یا کچھ علماء کو اوقاف و مساجد کی تولیت سپرد کر دی جائے، یا مسلمانوں کے طلاق و نکاح کے مسائل کو طے کرنے کے لیے کچھ قاضی مقرر کر دیے جائیں۔ اس طرح کی باتیں جو لوگ سوچتے ہیں یا جو ان کو اسلامی حکومت کی اصلی خصوصیات سمجھتے ہیں وہ ہمارے نزدیک نہایت ہی احمق قسم کے لوگ ہیں اور جتنے ہی جلدی وہ اپنی اس حماقت کا علاج کر لیں اتنا ہی اچھا ہے۔ ہم صرف مساجد اور قبرستانوں کی تولیت کے لیے جدوجہد نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم اس خداداد مملکت کے چپے چپے پر اللہ کے دین کو قائم و جاری کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے لیڈروں کو یہ غلط فہمی ہو کہ وہ اس قسم کی کچھ باتیں کر کے اس ملک کے جمہور کو مطمئن کر دیں گے تو وہ اپنے ذہن سے اس غلط فہمی کو نکال دیں۔ دس بارہ سال کی ہماری لگاتار محنت، جو دین کے صحیح تصور کے پھیلانے پر صرف ہوئی ہے الحمد للہ اب وہ اپنا اثر پیدا کر چکی ہے اور ہماری قوم کا ذہن اب اس قدر تبدیل ہو چکا ہے کہ وہ اس قسم کی چیزوں سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔ اب اگر وہ

مطلبن ہو سکتی ہے تو صرف اسی بات سے ہو سکتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے کو بغیر کسی استثناء اور تفریق کے اللہ کی شریعت اور اس کے قانون کے تابع کیا جائے۔ اب ہماری قوم عیسائیت اور اسلام کے فرق کو اچھی طرح سے سمجھنے لگ گئی ہے۔ اب وہ اس بات سے ناواقف نہیں رہی ہے کہ تفریق دین و دنیا کا تصور کوئی اسلامی تصور نہیں ہے بلکہ یہ مترامر جاہلی تصور ہے جو مسلمانوں نے اپنے دورِ زوال میں عیسائیوں سے اٹھ کیا ہے۔ اب ہمارے ذہین نوجوانوں سے یہ حقیقت بھی مخفی نہیں رہی ہے کہ اسلام کے دوہر اقل میں اگر کوئی شخص دنیا کو دنیا سے الگ کرنے کی کوشش کرتا تو وہ نرا سے نہ بچ سکتا۔ تیسری چیز جو اس ملک کے دستور میں نمایاں ہوئی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں شہریت کے شرائط اور اس کے حقوق وہی معین ہونے چاہئیں جو اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے لیے معین کیے ہیں اس کے چلانے کی تمام ذمہ داری صرف اُن لوگوں پر ڈالی جائے جو اسلام پر ایمان رکھتے ہوں، جو قولا اسلام کا اقرار کرتے ہوں اور عملا اس کے اصولوں پر گامزن ہوں۔ جو زندگی کے معاملات میں پہنائی حاصل کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی اور کی طرف اہتمام حاصل کرنے کے لیے رجوع نہ کرتے ہوں۔ مگر اس کہنے کا منشاء یہ نہیں ہے کہ اسلامی ریاست میں اُن لوگوں کے کچھ حقوق نہیں ہیں جو اسلام کے اصولوں پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ اسلامی ریاست اپنے اندر کی غیر مسلم اقلیتوں کو اس سے کہیں زیادہ حقوق دیتی ہے جتنے حقوق موجود زمانے کی مدعی جمہوریت حکومتیں اپنی اقلیتوں کو دیتی ہیں۔ اسلامی حکومت یہ حقوق پوری ایمانداری سے دیتی ہے، قرآن مجید اور احادیث کے احکام کے تحت دیتی ہے۔ اللہ اور رسول کی ضمانت کے ساتھ دیتی ہے۔ لیکن مجھے اس بات کے ظاہر کرنے میں کوئی تردد نہیں ہے کہ ایک اصولی ریاست ہونے کی وجہ سے اسلامی ریاست اپنے چلانے کی ذمہ داریاں اُن لوگوں پر نہیں ڈالتی جو اُن اصولوں پر ایمان نہ رکھتے ہوں جن اصولوں پر اسلامی ریاست قائم ہوتی ہے۔

پھر جس طرح یہ ضروری ہے کہ ہمارے دستور میں شہریت کے شرائط وہی ہوں جو اسلام نے قرار دیے ہیں، اُس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ شہریت کے حقوق بھی وہی ہوں جو اسلام نے مجھے دیے ہیں۔

اور ان حقوق پر کسی حال میں بھی حکومت کو دست درازی کرنے کا کوئی حق نہیں ہونا چاہیے۔ ایک اسلامی ریاست میں خدا اور اس کے رسول کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر ہر شخص آزاد ہے اور جو شخص اپنی آزادی خدا اور اس کے رسول کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر استعمال کر رہا ہے اس کی آزادی کو کسی عذر اور بہانے پر سبب نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی حکومت کے وجود کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ باشندگان ملک کے لیے خدا کے قانون کے تحت بالکل آزاد رہنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ اگر حکومت یہ مقصد پورا کرنے کے بجائے لوگوں کی آزادی پر ناجائز دست درازیاں شروع کر دے تو وہ اپنا مقصد و جہود ہی بالکل کھو بیٹھتی ہے اور اس کو اس بات کا کوئی حق نہیں باقی رہ جاتا کہ وہ لوگوں سے اطاعت کا مطالبہ کرے۔ اسلامی حکومت لوگوں پر خلاف شریعت پابندیاں عائد کرنے اور ان کے لیے مختلف جیلوں بہانوں سے مختلف قسم کی پٹریاں ایجاد کرنے کے بجائے اس بات کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اگر بندگان خدا کی راہ میں اس طرح کی کچھ خلاف شریعت رکاوٹیں ہوں تو ان کو دور کرے۔ دنیا میں ظالم اور جبار فرمانروائے اور حکومتوں نے انسانوں کے فطری حقوق پر جو تعدیاں اور دست درازیاں کی تھیں اسلام ان کو مٹانا چاہتا ہے نہ کہ ان کو باقی رکھنا یا ان میں کوئی اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے دستور سازوں کو اس پہلو سے ہرگز نہیں سوچنا چاہیے کہ ارباب اقتدار کے اقتدار کو بہر شکل قائم رکھنے کے لیے دستور میں کیا کیا گنجائشیں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ بلکہ انہیں ان رخنوں کو بند کرنا چاہیے جن سے انسانی حقوق پر پھلے مارے جاسکتے ہیں۔

اسلام میں حکومت مقصود بالذات شے نہیں ہے مقصود بالذات شے صرف اللہ کی اطاعت اور بندگی کے لیے آزادی ہے۔ حکومت اس آزادی کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کے اسباب و وسائل فراہم کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اس راہ میں جو رکاوٹیں پیش آتی ہیں ان کو وہ دور کرتی ہے۔ اس راستہ میں جو خطرات پیش آتے ہیں وہ ان کو دفع کرتی ہے۔ اور اس راہ کی آخری منزل تک پہنچنے کے لیے جو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں حکومت ان کو فراہم کرتی ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ بندگان خدا کی آزادی سبب کرے کہ اسے عذرات اور بہانے تلاش کرے اور خدا کی صراطِ مستقیم پر

بڑھنے سے خدا کے بندوں کو روکے۔ وہ لوگوں کو دعوت دیتی ہے کہ اگر ان کی راہ میں کوئی مزاہمت ہو تو وہ اس کو باخبر کریں تاکہ وہ ان کی مزاہمت کو دور کر کے ان کے لیے اس راہ کے سفر کو آسان کر دے۔ جو حکومت بندگانِ خدا کے لیے یہ چیز فراہم کر دے جس کا میں نے ابھی ابھی آپ کے سامنے ذکر کیا ہے اس حکومت کا نام ہماری اسلامی اصطلاح میں خلافت علی منہلجِ اسنت ہے یہی حکومت ہے جس کا وجہ اور مرتبہ یہ ہے کہ اس کی اطاعت سے الگ ہو کر کوئی شخص نجات نہیں حاصل کر سکتا۔ اس کے لیے اپنی جان اور مال کو قربان کرنا، اس کی حفاظت میں گرویں کٹانا، اس کے بقا اور اس کی ترقی کے لیے ہر قسم کے مصائب بھیدنا، دین و دنیا دونوں کی سعادت ہے۔ کیونکہ یہ حکومت ہمارے لیے خدا کے قانون کے تحت زندگی بسر کرنے کی آزادیاں فراہم کرتی ہے۔ اس کے زیر سایہ بسنے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ خدا اور اس کی شریعت کے سوا ان کے اوپر کسی کا حق کوئی زور نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ان کی اس آزادی کو سلب کرنا چاہے گا تو یہ حکومت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ اس کی چھنی ہوئی آزادی کو واپس دلانے لگی۔

اس اصولی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے میں اس ملک کے لیڈروں کو آگاہ کرتا ہوں کہ وہ ہمارے سابق انگریز آقاؤں کی طرح ہمارے لیے صرف مسجد کے اندر نماز اور اذان کی آزادی محفوظ کرنے کی فکر فرمائیں بلکہ ایک ایسا دستور بنائیں جو انسانوں کو انسانوں کی غلامی اور انسانوں کے بنائے ہوئے جابرانہ قوانین کی ہر تعدی سے محفوظ کرتا ہو۔ ایک ایسا دستور بنائیں جو ہر بندہ خدا کو اس بات کی ضمانت دیتا ہو کہ اس کے جان و مال، اس کے فکر و خیال اور اس کے عقیدہ و رائے کی آزادی پر کوئی پابندی اس پابندی کے سوا عائد نہیں کی جائے گی جو خدا اور اس کے رسول نے عائد کی ہے۔ ایک ایسا دستور بنائیں جو ہر شہری کو ایک طرف عام افراد کی تعدیوں سے محفوظ کرنے کی ذمہ داری دیتا ہو اور دوسری طرف خود حکومت کی بھی ہر قسم کی تعدیوں سے محفوظ رکھنے کی ضمانت دیتا ہو۔

جو ریاست خدا کے بندوں کے لیے یہ حقوق اور آزادیاں ہتیا کر دے وہ ریاست خدا کی زمین پر اس کی بہت بڑی رحمت ہے۔ اس طرح کی ریاست کے لیے ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کرنا جیسا کہ

میں نے عرض کیا، اُس کے شہر میں کافر ہے۔ اگر اس ریاست کو کوئی خطرہ پیش آجائے تو ہمارے لیے حرام ہے کہ ہم اپنی ذات کو ریاست کی ہستی سے زیادہ عزیز رکھیں۔ اگر ریاست کی سالمیت کو کوئی معمولی سے معمولی نقصان بھی پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ہمارے لیے حرام ہے کہ ہم اپنے جسموں کے پرزے اڑے بغیر اُس کی سالمیت پر آنچ آنے دیں۔ ایسی ریاست کی زمین کا ایک ایک چتہ ہمارے لیے مسجد کی طرح مقدس و محترم ہے اور اُس کے تحفظ کی ہر جدوجہد ہمارے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ رکھتی ہے۔ ہمارے لیے حرام ہے کہ ریاست مدد کی محتاج ہو اور ہم اپنی جیب میں مال کا ایک جتہ یا اپنی رگوں میں خون کا ایک قطرہ بھی بچا کے رکھ چھوڑیں۔ اگر ریاست نے ہمارے لیے خدا کی صراطِ مستقیم کھول دی ہے اور اُس پر چلنے کے لیے جن حفاظتوں اور جن سہولتوں کے ہم محتاج ہیں وہ ساری کی ساری ہمارے لیے فراہم کر دی ہیں تو اُس نے ہمارے لیے وہ سب کچھ فراہم کر دیا جس کی ہم اس دنیا میں تمنا کر سکتے ہیں، اس لیے اُس کے تحفظ اور اس کی ترقی کے لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی عزیز سے عزیز چیز بھی بے دریغ قربان کریں اور اس کو اللہ کی رضا کا موجب سمجھیں۔

یہ تین باتیں جو میں نے عرض کی ہیں یہ اسلامی دستور کی روح ہیں اور انہی کے معیار سے جانچ کر یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ ایک ریاست کا مزاج اسلامی ہے یا باہلی۔ ہم اس کو سونگھ کر دیکھ لیں گے کہ اُس کے اندر ان چیزوں کی خوشبو پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اگر ہم نہ محسوس کیا کہ یہ خوشبو اُس کے اندر موجود ہے تو ہم یہ سمجھ لیں گے کہ یہ دستور ایمان، اسلام اور قرآن کی بنیادوں پر بنا ہے۔ اور اگر یہ خوشبو ہم نے نہ پائی تو اگرچہ اس کا افتتاح بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوا ہو لیکن ہم یہی سمجھیں گے کہ ہمارے لیے یہ مہلک نتیجہ پر مشتمل ایک نسخہ کھا گیا ہے اور ہم کو دھوکا دینے کے لیے اس پر ہوا شافی لکھ دیا گیا ہے۔ ہوا شافی لکھ کر ستم قاتل اور زہر بلا بل کو شہید و شہدائے نبی بنا دیا جاسکتا۔ اگر ہوا شافی لکھیے تو اس میں دوائیں بھی وہی درج کیجیے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبا دینِ اعظم سے لی گئی ہوں۔ اور اگر آپ ہم کو زہر ہلانا چاہتے ہیں تو خدا کے لیے اُس کو ہوا شافی کے عنوان سے نہ پلائیے۔ یہ خدا اور اس کے بندوں کے بندوں کے ساتھ غداری ہوگی۔

ان اصولی اور بنیادی باتوں کے علاوہ دستور کی بعض اور چیزوں کی طرف بھی یہاں اشارہ کر دینا چاہیگا۔ ایک اسلامی دستور کی ضروری خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُس کے اندر ایگزیکٹو کی ساری مطلق الغنائیوں کا پوری طرح سد باب کر دیا جائے۔ عام رعایا جس قانون کی تابع ہو، ایگزیکٹو کے ارکان بھی اسی قانون کے تابع ہوں جس طرح عام رعایا کو اُن کی بدکرداریوں پر عدالتوں میں مقدمہ چلا کر سزا دلائی جاسکتی ہے، اسی طرح ایگزیکٹو کے بڑے سے بڑے ارکان کو بھی اُنکی بدکرداریوں پر عام عدالتوں میں عام قانون کے ماتحت مقدمہ چلا کر سزا دلائی جاسکتی ہو۔ اسلامی شریعت میں ایگزیکٹو کا منصب صرف خدا کی شریعت کی تفیذ اور اس کا اجرا ہے۔ اُن کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خدا کی شریعت میں کوئی تغیر کر سکیں یا اس کے کسی جز کو منسوخ کر سکیں یا اس کے کسی حصے کو منسوخ کر سکیں یا اس کے کسی جز کو منسوخ کر سکیں یا اس کے کسی حصے کو منسوخ کر سکیں یا اس کے کسی جز کو منسوخ کر سکیں۔

اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح اللہ کے قوانین کے تابع ہیں جس طرح ایک عام مسلمان ان قوانین کے تابع ہے۔ اس وجہ سے اسلامی نظام کے اندر ایگزیکٹو کا کوئی اونچا سے اونچا فرد بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اپنے لیے قانون سے بالاتر کوئی مقام مخصوص کرنے کی کوشش کرے، یا قانون کو معطل یا ملتوی کرنے کی جرات کرے۔ اسلامی قانون خدا اور اس کے رسول کا بنایا ہوا ہے اور خدا اور خدا کے رسول کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُس کے اندر ترمیم یا تغیر کر سکیں۔ کسی دوسرے کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اس کے اندر ترمیم یا تغیر کر سکے۔

اگر آپ نے اپنے دستور کے اندر کوئی ایسا خلا چھوڑا جو آپ کے ایگزیکٹو کے ارکان کو اس بات کا موقع دیتا ہو کہ وہ کسی پہلو سے اپنے آپ کو عام قانون سے بالاتر بنا سکیں تو آپ اس ملک میں قیصر و کسریٰ کا نظام ہی لائیں گے، وہ نظام نہیں لائیں گے جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ نے قائم کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ نے جو نظام قائم کیا تھا اُس کی سب سے بڑی خصوصیت کا اظہار خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس طرح فرمایا تھا کہ میں تمہارے اندر خدا کی شریعت کو جاری کرنے والا ہوں، اپنی طرف سے کوئی نئی بات کرنے والا نہیں ہوں۔ اور اگر میں اس شریعت سے سب موانع خرافہ کو حل تو تم مجھے ٹھیک کر دینا۔

اسی طرح عدلیہ سے متعلق بھی دستور میں چند باتوں کی تصریح نہایت ضروری ہے جو عدلیہ کے

خراج کو اسلامی بنانے کے لیے ضروری ہیں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ عدلیہ کو ایگزیکٹو کی ہر قسم کی مداخلت کے امکانات سے بالکل محفوظ کیا جائے تاکہ بے لاگ انصاف، جو ہر عدلیہ کے قیام کا اصلی مقصد ہے، ہر شخص کو حاصل ہو سکے

دوسری چیز یہ ہے کہ ہر باشندہ ملک کے لیے مفت عدل و انصاف ہتیا کرنے کی ذمہ داری لی جائے تاکہ ہر مظلوم بغیر کوئی قیمت ادائیگیے انصاف حاصل کر سکے۔ اسلامی نظام میں ہر مظلوم کا حکومت پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ اُس کی دادرسی ہو، اُس کو اُس کا چھنا ہوا حق ملے، اور اُس کے ساتھ انصاف کیا جائے یہ بات نہایت ہی ثمرناک ہے کہ ایک شخص کو اپنا واجب حق حاصل کرنے کے لیے قیمت ادا کرنی پڑے جس نظام میں لوگوں کو اپنے واجب حقوق حاصل کرنے کے لیے بھی قیمت ادا کرنی پڑتی ہو وہ نظام ہرگز اسلامی نظام نہیں ہو سکتا۔ خلافت راشدہ میں کسی شخص کو بھی اپنی مظلومیت کی داد حاصل کرنے کے لیے کوئی قیمت نہیں ادا کرنی پڑتی تھی۔ جو شخص مظلوم ہوتا حکومت پر اُس کا یہ ناقابل انکار حق قائم ہو جاتا کہ وہ اُس کے لیے انصاف ہتیا کرے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ ہمارے دستور میں اس بات کی ضمانت دی جائے کہ راجی اور رعایا، حاکم اور محکوم، امیر اور مامور ہر ایک کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت ہوگا۔ اسلامی شریعت میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ قانون اور نظام عدالت میں کسی قسم کی تفریق کی جاسکے۔ جاہلی نظاموں میں قانونی مساوات کا دعویٰ تو بڑی بلند آہنگی سے کیا جاتا ہے اور ہر ملک کے دستور میں تو اس بات کی ضمانت دی جاتی ہے کہ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہوں گے لیکن عملاً نہ صرف ایگزیکٹو کے ارکان، نہ صرف جمہوریتوں کے صدر، نہ صرف ملک کے بادشاہ، بلکہ بعض حالات میں پارلیمنٹوں کے ارکان اور ملک کے دوسرے شرفاء و اعیان کو بھی عام قانون اور عدالتوں کی دائرہ گیر سے بالکل بالاتر کر دیا جاتا ہے۔ یہ صورت حال ایک خالص جاہلی صورت حال ہے جس کو اسلام سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں! اسلام میں غریب اور امیر، امیر اور مامور سب کے لیے ہر حالت میں ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت ہے۔ اور اسلام نے اس بات کو کسی حال میں بھی روا نہیں رکھا ہے کہ قانون

اور عدالت کے نظام میں سرِ مو کوئی تفریق کی جائے۔ یہ مسئلہ کوئی استنباطی اور اجتہادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کے بارے میں قرآن اور پیغمبر صلعم کی واضح تصریحات بھی موجود ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد کی متعدد عملی اور واقعاتی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض ترفع پسند سرکاری حکام نے حضرت عمرؓ کے سامنے حکومت کی سادگی قائم رکھنے کے لیے یہ خیال پیش کیا تھا کہ ایگزیکٹو کے ارکان کو عام قانون اور عام عدالتوں کی دادرسی سے ایک حد تک بالاتر کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا۔ اور صاف صاف یہ فرمایا کہ اسلامی شریعت میں جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قانون سے بالاتر کوئی جگہ حاصل نہیں تھی تو میں کسی دوسرے کو قانون اور عدالت کی دادرسی سے، کسی درجے میں بھی سہی، کس طرح بالاتر قرار دے سکتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کے اس اعلان نے اس حقیقت کو بالکل غیر مشتبہ طور پر واضح کر دیا کہ اسلام نے ہر شخص کے لیے قانونی مساوات کا جو حق تسلیم کیا ہے وہ حق ایسا نہیں ہے جو ایک بڑے قانونی مساوات کے بلنہ بانگ دعوے کے ساتھ لوگوں کو دیا جائے اور دوسری طرف انتظامی قوانین (Administrative Laws) کے سچکندوں کے ذریعے اُس حق کو بالکل سلب کر لیا جائے اور معاشرے کے اکابر مجرمین کو قانون اور عدالت سب کی گرفت سے بالکل آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ خدا کی زمین کو ظلم اور فساد سے بے روک ٹوک بھرتے رہیں۔

اسلام نے جس قانونی مساوات سے دنیا کو آشنا کیا ہے اُس کی میزان میں خاطرِ نبوت محمد اور ایک معمولی بدوی عورت بالکل مساوی درجہ پر ہیں۔ حضرت عمرؓ ایک معمولی بدوی کی نیشیت پر جس طرح کوٹے لگوا دیتے تھے اُسی طرح ایک بڑے سے بڑے گورنر اور بڑے سے بڑے فاتح کو بھی، اگر کسی جرم کا ترکب پاتے تو بے تکلف عام قانون کے تحت اُس کو سزا دوا دیتے۔ وہ جس قانون کو دوسروں پر جاری کرتے تھے اپنے آپ کو بھی اسی قانون کے ماتحت سمجھتے تھے اور برابریہ کہا کرتے تھے کہ جس طرح میں دوسروں کو انصاف کے آگے جھکاؤں گا اسی طرح خود اپنے آپ کو بھی انصاف کے آگے جھکاؤں گا۔ مقننہ سے متعلق ہمارے دستور کو اس بات کی تصریح کرنی چاہیے کہ وہ قانون سازی کے معاملے میں

اول تو کتاب و سنت کو اصل ماخذ تسلیم کرے گی، ثانیاً وہ کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کے حدود کے خلاف کبھی کوئی قدم نہ اٹھائے گی۔ عام تدابیر اور مصالح کے لیے اُس کو قانون سازی کا حق حاصل ہے، لیکن یہ حق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ کوئی قانون خدا اور رسولؐ اور اجماع صحابہ کے خلاف نہیں بنایا جائیگا۔ جو قانون خدا، اس کے رسول اور اجماع صحابہ کے خلاف ہو وہ اسلام میں باطل ہے۔

اسی طرح ہمارے ائمہ اور فقہاء نے جو اجتہادات فرمائے ہیں وہ بڑی قدر قیمت رکھتے ہیں۔ ہمارے ائمہ اجتہاد کے تمام شرائط کے حامل تھے اس لیے، اگرچہ ان کے اجتہادات اور استنباطات کو غلطی سے مبرا نہ قرار دیا جاسکے، تاہم یہ کہنا کچھ بجا نہیں ہے کہ بحیثیت مجموعی حق و صواب کے جس قدر اقرب ان کا اجتہاد ہے دوسروں کا اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کوئی ایسا اجتہاد جو تمام ائمہ کے اجتہاد سے مختلف ہو نہ عامہ مسلمین کو مطمئن کر سکے گا نہ اہل علم کو۔ پس حق سے قریب تر ماہ اس معاملہ میں یہ ہے کہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے جو تمام ائمہ اہل سنت کے اجتہاد کے خلاف ہو بلکہ انہی میں سے جس کی رائے کتاب و سنت اور شریعت کے مقتضیات سے زیادہ اقرب نظر آئے اختیار کر لی جائے اور اسی کے مطابق قانون بنایا جائے۔

اب میں مختصراً آپ کو یہ بتاؤں گا کہ ہم اس ملک کی تعلیمی و تمدنی اور معاشرتی و معاشی زندگی میں کس قسم کے تغیرات چاہتے ہیں۔ اگرچہ ان مسائل پر مجھے تفصیل سے کچھ کہنے کا موقع نہیں ہے، تاہم بعض اشارات ضروری ہیں تاکہ فی الجملہ ہمارا نقطہ نظر آپ پر واضح ہو سکے۔

میں سب سے پہلے تعلیم کے متعلق کچھ کہوں گا۔ اس مسئلہ کو مقدم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس ملک میں کوئی تبدیلی اور کوئی اصلاح ہونی ہے تو وہ بہر حال تعلیم کی اصلاح ہی سے شروع ہو سکتی ہے تعلیم ہی ہر اصلاح و تغیر کی بنیاد ہے۔ اگر تعلیم کی اصلاح نہ ہوئی تو اس ملک میں اصلاح و تغیر کا کوئی قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکے گا۔

آپ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہو سکتے کہ ہمارے ملک میں تعلیم کے نام سے آج جو ربا نہ بچایا جا رہا ہے وہ یقیناً وہی ربا نہ ہے جو انگریز ہمیں بچانا سکھا گیا تھا۔ انگریزوں

نے یہ نظام تعلیم اس ملک میں اس لیے نہیں جاری کیا تھا کہ اس سے آپ کی خودی بیدار ہو۔ آپ کی نسلیں خود اپنی تاریخ، خود اپنے فلسفے اور خود اپنے قومی و ملی مقاصد سے آشنا ہوں۔ ان کی رگوں کا خون خود ان کی اپنی پامایوں پر غیرت و حمیت سے جوش میں آئے۔ ان کا اپنا ماضی، جو فراموش ہو چکا ہے، از سر نو ان کے حافظہ کی نگاہوں کے سامنے آن کھڑا ہو اور ان کو مستقبل کی اولوالعزمیوں کے لیے دعوت عمل دے۔ بلکہ انہوں نے یہ نظام تعلیم اس لیے جاری کیا تھا کہ اس ملک میں ان کو جو اقتدار حاصل ہو گیا تھا اس کی گاڑی کھینچنے کے لیے انہیں ایسی قلی حاصل ہوتے رہیں۔ لارڈ میکالے اور اس کی ذریعات کو ہمارے ساتھ اتنی مہر و بی نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس ملک میں کوئی ایسا نظام تعلیم جاری کرتے جو ہم کو خود ہمارے نصب العین سے آشنا کرتا۔ لیکن ہماری بدقسمتی دیکھیے کہ ملک کے آزاد ہو جانے کے کئی سال بعد تک بھی اس نظام تعلیم میں سہرہ کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اور اگر کوئی تبدیلی کی گئی ہے تو وہ اس غرض کو پیش نظر رکھ کر برگز نہیں کی گئی ہے کہ اس کو کچھ اپنے قومی یا ملی حوصلوں کے لیے سازگار بنایا جائے بلکہ اس رنگ کو اور زیادہ تیز اور شونخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو انگریز اس پر چڑھا گیا تھا۔

اس نظام تعلیم سے اگر کسی شخص کو تھوڑی بہت بھی واقفیت ہے تو وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ہمارے نوجوانوں کے اندر اسلام کے بچانے جاہلیت کا احترام پیدا کرتا ہے یہ ہماری اپنی نسلوں کی نگاہوں میں ان کے ماضی کو حقیر ٹھہراتا ہے۔ یہ ہمارے اپنے فرزندوں کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کو گالیاں دیں۔ اگر اس نظام کے تحت تعلیم پا کر کوئی شخص اپنے بزرگوں کو گالیاں نہیں دیتا تو یا تو وہ ایک مادر زاد ولی ہے یا پھر وہ اس نظام تعلیم کا صحیح فرزند نہیں ہے۔ خود اس میں فراشبہ نہیں ہے کہ انگریزوں نے اس کو اسی مقصد کے لیے جاری کیا تھا کہ ہماری نئی نسلوں کی خودی مرجائے، ہمارا خون ٹھنڈا پڑ جائے، ہماری غیرت مردہ ہو جائے، ہمارا اخلاق بچان ہو جائے، ہم ہر قسم کی ایمانی و اخلاقی حس سے محروم ہو جائیں، ہم انگریز کی گاڑی کھینچیں اور اس بات پر فخر کریں کہ ہم انگریز کی گاڑی کھینچتے ہیں، ہم انگریز کی نقالی کو شرف سمجھیں، اس کے علم کے آگے اپنے علم کو حقیر جانیں، اس کی

تہذیب کے سامنے اپنی تہذیب سے ٹھٹھکیں، یہاں تک کہ اس کے دین کو بھی اپنے دین سے اعلیٰ و اشرف سمجھیں، گو اپنی بزدلی کی وجہ سے اس کا اعلان عام طور پر نہ کر سکیں۔

یہ نظام تعلیم ہے جو بغیر کسی تغیر کے ہمارے اوپر آج تک مسلط ہے۔ اس کے اندر نہ صرف یہ کہ کوئی تغیر نہیں کیا گیا ہے بلکہ میں اگر یہ کہوں کہ اس کے اندر کسی تغیر کا صحیح احساس بھی ابھی تک ہمارے کارفرماؤں کے اندر نہیں پیدا ہوا ہے تو شاید یہ کہنا بیجا نہ ہو۔ بلکہ اس سے زیادہ مایوس کن بات یہ ہے کہ یہ تغیر پیدا کرنے کے لیے جس علم و شعور کی ضرورت ہے وہ بھی مفقود نظر آتا ہے۔ اس نظام تعلیم کو اس کے سابق معیار پر چلانے کے لیے جو صلاحیت درکار ہے وہ بھی روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے اور اس کو بڑھانے یا کم از کم اس کے سابق معیار پر قائم رکھنے کی کوئی کوشش بظاہر نہیں کی جا رہی ہے۔

آخر پرستارہ صبح نمودار ہو چکا ہے لیکن ابھی ہمارے ارباب بست و کشاد خزانے لے رہے ہیں قرار داد مقاصد کی صبح صادق طلوع ہو چکی لیکن ہمارے تعلیمی ذمہ داروں کے یہاں ابھی آدھی رات ہے قوم نے ایک نئی راہ پر چپنے کے لیے اعلان رحیل کر دیا لیکن ابھی سالاران قافلہ کو خبر بھی نہیں کہ کوئی سفر درپیش ہے۔ قوم آزاد ہو چکی ہے اور اس کے کندھوں پر ایک آزاد قوم کی ذمہ داریاں لاد چکی ہیں لیکن ہماری نئی پود کو ابھی تک یہی سکھایا جا رہا ہے کہ ہمارا تو نہ کوئی ماضی ہے نہ مستقبل، ماضی اور مستقبل تو درحقیقت انگریز کا ہے۔ قوم نے ہاتھ میں قرآن اٹھالیا اور یہ اعلان کر دیا کہ ہمیں اپنا مستقبل اسی کتاب کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق تعمیر کرنا ہے لیکن ہماری تعلیم ابھی تک لارڈ میکالے کے منصوبوں کے مطابق ہی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ تقریروں میں اعلان ہو رہا ہے کہ ہم خیریت اور شہداء اللہ فی الارض ہیں لیکن ہماری تعلیم گاہوں میں ابھی تک وہی ہڈیاں چھوڑی جا رہی ہیں جو انگریز نے ہمارے سامنے چھپائی تھیں۔

ہم اس فاسد نظام تعلیم کو یک قلم بدل دینا چاہتے ہیں، اور اس کو بدل کر از سر نو اس کو کتاب سنت کی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ایک امت مسلمہ کی حیثیت سے ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ

نے جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اپنی نئی نسل کو تیار کر سکیں یا وہ ہماری قوم نے قرار داد مقاصد کے ذریعہ سے جس نصب العین کا اظہار کیا ہے اس نصب العین کی طرف ہم بڑھ سکیں۔

اس سے کسی کو یہ غلط فہمی برگزنہ ہو کہ ہم تمام سائنٹفک ترقیات اور تمام موجودہ علمی اور فلسفیانہ کوششوں پر خطا نسخ پھیر دینا چاہتے ہیں۔ ہم تو ان ساری چیزوں کی تعلیم اس سے کہیں زیادہ اہتمام سے دینا چاہتے ہیں جس اہتمام سے اس وقت ان کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ لیکن ہم یہ تعلیم کتاب و سنت کی روشنی میں دینا چاہتے ہیں تاکہ ان علوم سے جو فکری و نظری استعداد حاصل ہو وہ کجروی اور گمراہی نہ پیدا کرے اور ان سے جو عملی قوت و طاقت حاصل ہو وہ دنیا کے اندر فساد کا ذریعہ نہ بنے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے نوجوان ان چیزوں کو تقلیدانہ اور مرعوبانہ ذہنیت کے ساتھ نہ حاصل کریں بلکہ پوری ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست کے ساتھ حاصل کریں تاکہ وہ ان کے ذریعہ سے اپنی اور دنیا کی صحیح خدمت انجام دے سکیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پچھلے پچاس سالوں کے اندرون میں ایجادات و تحقیقات میں بڑی ترقیاں کی ہیں لیکن یہ ساری ترقیاں اصلاح و تعمیر کے بجائے فساد و تخریب کی راہ میں صرف ہوئی ہیں اور برابر ہو رہی ہیں۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ان تمام تحقیقی و اکتشافی سرگرمیوں میں اس روشنی سے بالکل محروم رہا ہے جو انسان کو انسانیت کی راہ دکھاتی ہے۔ ہم اس راہ سے ہٹ کر ایک ایسا نظام تعلیم قائم کرنا چاہتے ہیں جو ایک طرف تو انسان کی قوت ایجاد و اکتشاف کو اور اس کی صلاحیت فکر و نظر کو زیادہ سے زیادہ ابھارے، دوسری طرف اس کو وہ بصیرت بھی عطا کرے کہ وہ ان طاقتوں کو صحیح طور پر کام میں لائے۔ نظام تعلیم کی تبدیلی کے بعد ہم اس ملک کے نظام تمدن و معاشرت کو بھی بدنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پچھلے دور غلامی نے جس طرح ہمارے نظام تعلیم کو بالکل مسخ کر دیا ہے اسی طرح ہماری معاشرتی اور تمدنی زندگی کے خط و حال بھی اس نے بگاڑ ڈالے ہیں۔ انگلیزوں کے دور غلامی میں قدرتی طور پر یہ ناممکن ہو گیا کہ ہمارا تمدن خود اپنی فطری رفتار اور اپنے فطری تقاضوں کے مطابق بڑھ سکے۔ اس کے

اوپر ایک اجنبی تہذیب و تمدن کی آکاس بیل کے سوار ہو کر اس کی اپنی صلاحیتوں کو بالکل نچوڑ دیا اور ہر گرج و بار لانے کی قوت سے بالکل محروم کر دیا۔ انگریزی تہذیب کے اثرات سے ہماری تہذیب میں نہایت بد نما اور بھونڈی قسم کی ناہمواریاں پیدا کر دیں۔ ہماری معاشرت میں نہایت ناگوار قسم کے اونچ نیچ نمایاں کر دیے۔ ہمارے اندر ایک بہت بڑا طبقہ ایسا پیدا کر دیا جو تہذیب و معاشرت میں بالکل ان کا نقال بن گیا۔ تہذیب و معاشرت میں نقالی قدرتی طور پر بد قوارگی بھی پھوپھورپن اور بھونڈا پن پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ ہم کو نہایت شرمندگی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہماری تہذیب میں یہ بیماریاں بھی پیدا ہو چکی ہیں۔

ہم اپنی تہذیب کو اس آکاس بیل کے چنگل سے آزاد کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے فطری تقاضوں کے مطابق بڑھ سکے۔ ہم اس کے اندر سے غیر اسلامی اونچ نیچ کو ختم کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کے اندر صحیح اسلامی مساوات کا حسن و جمال نمایاں ہو سکے۔ ہم اس کو نقالی کے بھونڈے اثرات سے بالکل پاک کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہماری تہذیب پر بد قوارگی اور پھوپھورپن کی دولت جو مسلط ہو گئی ہے اس سے پاک ہو کر یہ ایک شاندار ماضی رکھنے والی قوم کی تہذیب کی حیثیت نمایاں ہو سکے۔ یہ بے حجابی و عربانی جس کے طوفان سے آپ ہر قدم پر دوچار ہیں۔ یہ نمائش حسن اور آرائش جمال جس کی پیما کیوں سے ہر گلی میں ایک ہنگامہ بپا ہے۔ یہ زنا اور فواحش کے اڈے، یہ قحبہ خانے اور یہ شراب خانے جن سے ہر گوشہ میں آپ کو سابقہ ہے۔ یہ ہماری تہذیب کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ زیادہ تر مغربی تہذیب کی آویز ہیں۔ اور اگر ہم اس ملک میں صحیح اسلامی تہذیب و معاشرت کو لانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم پہلے اس لعنت کو ختم کریں۔

ہم اپنی ماؤں اور بہنوں کو یہ بتائیں گے کہ آپ کے لیے نمونہ مغربی متبہ جات کی زندگیاں نہیں ہیں بلکہ آپ کو مائی عائشہؓ اور بی بی فاطمہؓ زہراؓ کے نمونوں کی تقلید کرنی ہے۔ ہم ان کے آگے موجود تہذیب کے شیطانی اصولوں کی جگہ ان اصولوں کو رکھنا چاہتے ہیں جو ان کے لیے خدا نے سورۃ نور سورۃ احزاب اور سورۃ تحریم میں اتارے ہیں۔ ہم ان سے یہ کہیں گے کہ آپ نسل آدم کے لیے قبضہ نہ

نہیں بلکہ آئہ رحمت بنیں۔ آپ کی کونھوں سے خبیثوں و خبیثات کی بس بھری فصل نہ پہچے بلکہ آپ کی گودوں میں طیبوں و طیبیات ملیں اور پروان چڑھیں۔ آپ کے دودھ سے وہ غازی پرورش پائیں جو زندگی کے باطل نقش کو مٹائیں اور حق کے ایسے نقش ثبت کریں جو انسانیت کے لیے رہنما ہوں۔ آپ ایسی لایعنی، ایسی ہیچ اور پوچ، ایسی لچھی، اور ایسی بے جان نسل کو جنم نہ دیں جو ہر ایک کے پیچھے بھاگے اور ہر ایک کی صدا پر پکے۔

ہم اپنی ماؤں اور بہنوں کو یہ بتائیں گے کہ آپ کی قدر و قیمت آپ کی بے حجابی و عریانی میں نہیں ہے بلکہ آپ کی عفت و پاکدامنی میں ہے۔ ہم اُن سے یہ کہیں گے کہ آپ کا جمال سرخی و پاؤں کا رہین احسان نہیں ہے بلکہ آپ کی زینت اُن اخلاق و عادات سے ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے آپ کو سکھائے ہیں۔ ہم اُن کو آگاہ کریں گے کہ آپ کی محبوبیت و دلربائی کا راز آپ کی سادگیوں اور آپ کے غراووں میں نہیں ہے بلکہ اُس باس تقویٰ و عفت میں ہے جو خدا کی شریعت نے آپ کو پہنایا ہے۔

ہم اپنی بہنوں کو دعوت دیں گے کہ وہ اُس پاکیزہ اسلامی تہذیب کے قائم کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرائے تھے۔ یہ ہمارا اور ان کا ایک مشترک کام اور مشترک فریضہ ہے۔ شیطان کی تہذیب پھیلانے والوں اور پھیلانے والیوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔ اُس کے بندے اور بندیاں ہر جگہ اپنے کام میں مشغول ہیں۔ البتہ اللہ کی تہذیب کو پھیلانے والے مردوں میں بھی کم ہیں اور عورتوں میں بھی اُن کی تعداد گھٹری ہے۔ ہم اپنی بہنوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس خدائی فوج میں بھرتی ہوں اور خدا کے اس کام کو انجام دے کلاس کی رضا حاصل کریں، ہم اس ملک کے معاشی نظام کو بھی بدلنا چاہتے ہیں۔ ہمارا موجودہ معاشی نظام ان تمام خرابیوں کا حامل ہے جو انگریزوں کی خود غرضی اس ملک کے معاشی نظام میں پھیلا سکتی تھی۔ انگریز نے اس ملک میں ایک ایسا معاشی نظام قائم کیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس ملک کے تمام فوائد کو خود سمیٹ سکے۔ اپنے اس کام میں مدد دینے کے لئے اس نے اپنے کچھ

ایجنٹ بھی رکھے اور ان کی خدماتِ ظلم کے صلہ میں انہیں بھی اس گٹس کے نظام میں کچھ فوائد پہنچائے یہ صورت حال ناقابلِ برداشت ہے اور اگر اس کو بزورِ قوت قائم رکھنے کی کوشش کی گئی جیسا کہ اس وقت کی جا رہی ہے، تو اس سے بڑے خطرناک نتائج کے پیدا ہونے کے امکانات ہیں انگریزوں نے دولت کو ایک محدود طبقہ کے اندر سیٹ دینے کے لیے جو راہیں کھل دی ہیں ہم ان کو بالکل بند کر دینا چاہتے ہیں۔ اسلام نے دولت اور وسائل دولت کو زیادہ سے زیادہ پھیلا دینے کے لیے جو ضابطے بنائے ہیں ہم ان کو جاری کرنا چاہتے ہیں۔ لوگوں کی کمائی کو ناجائز طریقہ پر گھسیٹنے کے جو ممکنہ ایجاب کیے گئے ہیں ہم ان سب کو بند کر دینا چاہتے ہیں۔ سوسائٹی کے معذور و کمزور اور نادار افراد کی ذمہ داری ہم ریاست پر ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت اپنا مقدم ترین فرض سمجھے۔ ایک اسلامی نظام میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ چیز گوارا نہیں کی جاسکتی کہ کچھ لوگ داعش دیں اور دوسرے نان شبینہ کے بھی محتاج ہوں، کچھ لوگوں کے لیے ترقی اور کامیابی کی غیر محدود راہیں کھلی ہوئی ہوں اور دوسرے اپنی ناداری کی وجہ سے نہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا علاج کرا سکیں نہ اپنے بچوں کو ضروری تعلیم دلا سکیں۔

ہم اس ملک میں وہ معاشی نظام جاری کرنا چاہتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلعم نے مدینہ کی اسلامی ریاست میں جاری کیا تھا۔ جس میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی، زمین کے مالک بھی تھے اور کاشتکار بھی، لیکن ان کے درمیان کوئی کشمکش نہ تھی، کوئی تصادم نہ تھا، کسی کے لیے جبر و ظلم اور استحصال ناجائز کا کوئی امکان نہ تھا۔ غربت اس طرح اس ریاست سے رخصت ہو گئی تھی کہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے والے اصحابِ حیثیت ضرورت مندوں کو تلاش کرتے پھرتے تھے کہ ان کی مدد کریں مگر کوئی طالبِ مدد محتاج ان کو نہیں ملتا تھا۔ نزاع اور تصادم کے تمام امکانات کا اس طرح خاتمہ ہو گیا تھا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں لوگ بات بات پر لڑنے جھگڑنے کے عادی تھے، وہاں بدتمیز گذر جاتی تھیں لیکن عدالتوں میں کوئی مقدمہ نہیں آتا تھا۔ محتاجوں اور ضرورت مندوں کی خبر گیری اور ان کی کفالت کا یہ اہتمام تھا کہ ایک مسلم تو درکنار ایک ذمی بھی اگر بھیک مانگتا نظر آ جاتا تو حضرت عمرؓ